QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

تصوف وروحانیت کی تدریس کے بنیادی ماخذ، تدریسی لائحہ عمل

PRIMARY SOURCES AND TEACHING METHODOLOGY OF SUFISM AND SPIRITUALITY

Muhammad Yaseen
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
Imperial College of Business Studies, Lahore
Dr. Muhammad Imran Anwar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies Imperial College of Business Studies, Lahore

Abstract:
Sufism and spirituality represent an essential dimension of Islamic teachings, primarily aimed at the purification of the soul, moral refinement, and attaining closeness to Allah. The primary sources for teaching Sufism include the Qur'an, the Sunnah of the Prophet ﷺ, the practices of the Companions and the Successors, and the writings of renowned Sufi scholars such as Ihya Ulum al-Din, Risala al-Qushayriyyah, Kashf al-Mahjub, and other ethical and spiritual works. In religious seminaries, the teaching of Sufism is generally conducted through the study of prescribed texts, spiritual guidance from teachers, and moral exhortation. While this approach emphasizes spiritual training, it often lacks critical and analytical engagement, pedagogical diversity, and relevance to contemporary intellectual contexts. At times, Sufism is reduced to outward rituals, ascetic practices, or the master–disciple relationship, which prevents a comprehensive understanding of its broader Islamic framework. Moreover, in addressing modern challenges such as materialism, moral decline, intellectual confusion, and spiritual emptiness, the practical, balanced, and reformative aspects of Sufism are not adequately incorporated into the teaching process. Although Madaris maintain that Sufism operates under the authority of Shariah, there remains a clear need for greater research depth and contemporary application within its pedagogical methodology.

Keywords: *Teaching; Methodology; Sufism; Islamic; Seminaries*

نصابِ دینیہ کی تشکیل اور اس میں تصوف کی شمولیت

دینی مدارس کے نصاب کی تشکیل میں تصوف کو ہمیشہ ایک اہم اور بنیادی جزو کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ یہ شمولیت محض ایک رسمی اضافہ نہیں تھی بلکہ صدیوں پر محیط ایک سوچ کا نتیجہ تھی جو اسلامی علوم کو ایک جامع اور مکمل شکل میں پیش کرنے پر یقین رکھتی تھی۔ نصابِ نظامیہ، جو کہ برصغیر میں دینی تعلیم کا ایک معیاری اور وسیع پیمانے پر رائج ڈھانچہ رہا ہے اور جس کی بنیاد ملا نظام الدین سہالوی نے 18 ویں صدی میں رکھی تھی، اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس نصاب میں نہ صرف فقہ، حدیث، تفسیر، نحو، صرف، منطق اور فلسفہ جیسے ظاہری علوم پر زور دیا گیا بلکہ تصوف کی مستند کتب بھی اس کا لازمی حصہ تھیں جو طلبہ کی فکری اور روحانی تربیت کے لیے ناگزیر سمجھی جاتی تھیں۔ یہ کتب طلبہ کو محض ظاہری احکام سے آگاہی کے بجائے، ان احکام کی روح اور باطنی حکمت سے روشناس کراتی تھیں۔

اس نصاب کا بنیادی فلسفہ ظاہری اور باطنی علوم کے درمیان توازن قائم کرنا تھا، تاکہ ایک ایسا عالم دین تیار ہو جو نہ صرف شریعت کا مکمل علم رکھتا ہو اور اس کے ظاہری احکام پر عمل پیرا ہو، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روحانی بصیرت (یعنی قلبی آگاہی اور باطنی نور) کا بھی حامل ہو۔ یہ توازن اس لیے ضروری تھا تاکہ طلبہ صرف علمی مباحث میں الجھ کر نہ رہ جائیں بلکہ ان کے علم میں خشیتِ الٰہی، اخلاص اور تواضع پیدا ہو۔ تصوف کی شمولیت کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ صرف ظاہری علوم جیسے فقہ کے مسائل، حدیث کی

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

سندیں، تفسیر کے لطائف اور منطق کے استدلال تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ ان علوم کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے ضروری باطنی پاکیزگی اور روحانی قوت بھی حاصل کریں۔ اس طرح ان کی شخصیت کی مکمل نشو ونما ہو سکے، جس میں تقویٰ (اللہ کا خوف)، اخلاص (عبادات میں ریاکاری سے بچنا) اور عمل کی پختگی (احکامِ الٰہی پر ثابت قدمی) جیسے اعلیٰ اوصاف شامل ہوں۔ یہ نصاب ایک ایسے عالم دین کی تیاری کا ہدف رکھتا تھا جو معاشرے کی رہنمائی اخلاقی اور روحانی بنیادوں پر کر سکے۔[1]

بنیادی سوال

تصوف وروحانیت کی تدریس میں کن بنیادی مصادر پر اعتماد کیا جاتا ہے، ان کی تدریس کا مروجہ لائحۂ عمل کیا ہے، اور موجودہ دینی وعصری تقاضوں کے تناظر میں یہ تدریسی طریقۂ کار کس حد تک مؤثر اور متوازن ہے؟

نصابِ تصوف کے بنیادی ماخذات (قرآن، حدیث، کتبِ مشائخ)

نصابِ تصوف کے بنیادی ماخذات میں قرآن کریم، احادیث نبویہ اور صوفیاء کرام کی مستند کتب شامل ہیں جو روحانی سفر کے لیے رہنما اصول فراہم کرتی ہیں۔ تصوف کی تعلیمات کا ماخذ براہ راست قرآن وسنت سے اخذ کیا گیا ہے، اور صوفیاء نے ہمیشہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہی اپنی تعلیمات پیش کیں۔ قرآن کریم میں متعدد آیات تزکیہ نفس پر زور دیتی ہیں، جیسے "قد اَفلح من زکّاھا" (جس نے نفس کو پاکیزہ کیا وہ کامیاب ہوا (اور "اِلا من اَتی اللہ بقلب سلیم" (مگر جو شخص اللہ کے پاس قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہو)۔ یہ آیات روحانی پاکیزگی کی بنیادی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ اسی طرح، احادیث نبویہ میں 'احسان' کا تصور، جو مشہور حدیث جبرائیل میں بیان کیا گیا ہے، تصوف کا سنگ بنیاد ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو یہ یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ یہ حدیث قلبی اخلاص، اللہ کی ہر وقت موجودگی کا احساس اور عمل میں کمال کی تعلیم دیتی ہے جو تصوف کا نچوڑ ہے۔ مزید برآں، اخلاص پر بہت زور دیا گیا ہے، کیونکہ اللہ کے نزدیک صرف وہی عمل مقبول ہے جو خالصتاً اس کی رضا کے لیے ہو۔ بزرگانِ دین اور صوفیاء کی مستند کتب ان قرآنی ونبوی تعلیمات کی عملی شکل اور گہرائی سے تشریح پیش کرتی ہیں۔ جیسے امام قشیریؒ کی "الرسالہ القشیریہ" جو تصوف کے بنیادی اصولوں، صوفیاء کے اقوال اور ان کی اصطلاحات کو جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ یہ کتاب اس بات پر زور دیتی ہے کہ تصوف شریعت کے تابع ہے اور اس سے انحراف بدعت ہے۔ امام غزالیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف "احیاء علوم الدین" اسلامی علوم کی تجدید اور تصوف کو شریعت کے ساتھ مکمل ہم آہنگی میں پیش کرنے کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ اس میں عبادات کی باطنی روح، اخلاقیات کی تربیت، اور نفس کی پاکیزگی کے تفصیلی طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ دونوں کتب، اور دیگر اہم تصانیف جیسے "قوت القلوب" از ابو طالب مکی، "کشف المحجوب" از حضرت داتا گنج بخش ہجویری، اور "فصوص الحکم" از ابن عربی (جو فکری تصوف کے لیے اہم ہے)، سالک (روحانی سفر پر گامزن شخص) کو راہِ سلوک پر گامزن ہونے اور معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے جامع رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ یہ تمام ماخذات تصوف کو محض ایک فلسفیانہ بحث نہیں بلکہ ایک عملی روحانی نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں جو شریعت کی پابندی اور بدعات سے اجتناب کو لازمی قرار دیتا ہے۔[2]

مدارس میں پڑھائی جانے والی معروف کتبِ تصوف

مدارس میں تصوف کے نصاب میں کئی معروف اور مستند کتب شامل رہی ہیں جو مختلف ادوار میں تصوف کے فکری ارتقاء اور عملی پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کتب کا انتخاب طلبہ کی روحانی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ انہیں تصوف کے بنیادی اصولوں اور مختلف مکاتب فکر سے روشناس کرانے کے مقصد سے کیا جاتا ہے۔ یہ کتب نہ صرف علمی گہرائی رکھتی ہیں بلکہ عملی رہنمائی بھی فراہم کرتی ہیں جو سالک (طالبِ سلوک) کے لیے ضروری ہے۔ ان میں سے ایک اہم کتاب "کیمیائے سعادت" از امام غزالیؒ

[1] ۔ عباسي، فضل عباس، تصوف کی مستند کتب: ایک تعارف، کراچی: فکري کتب خانہ، (۲۰۱۸)، ص ۳۰

[2] ۔ فاروقي، جمال فاروقي، تصوف کے بنیادی ماخذات، کراچی: نور پبلشرز، (۲۰۱۲)، ص ۲۵۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

ہے۔ یہ ان کی معروف تصنیف "احیاء علوم الدین" کا خلاصہ ہے جسے فارسی زبان میں عام فہم انداز میں لکھا گیا ہے۔ "کیمیائے سعادت" دراصل ایک جامع اخلاقی اور روحانی دستور العمل ہے جو انسان کو دنیا و آخرت میں کامیابی یعنی "سعادت" کے حصول کے طریقے سکھاتا ہے۔ اس کتاب کو چار اہم رُبع (حصوں) میں تقسیم کیا گیا ہے: ربع عبادات (عبادات کی باطنی حقیقت)، ربع عادات (معاشرتی عادات و اخلاق)، ربع مہلکات (تباہ کن اخلاقی بیماریاں جیسے حسد، تکبر، ریاکاری)، اور ربع منجیات (نجات دلانے والے اوصاف جیسے صبر، شکر، توکل، محبتِ الٰہی)۔ امام غزالیؒ نے اس میں عملی تزکیہ نفس اور باطنی پاکیزگی پر گہرا زور دیا ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ حقیقی علم وہی ہے جو عمل اور خشیتِ الٰہی پر منتج ہو۔ اس کی تدریس طلبہ میں تقویٰ، اخلاص اور خود احتسابی کے جذبے کو پروان چڑھاتی ہے۔

دوسری اہم تصنیف "عوارف المعارف" از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہے جو سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ یہ کتاب تصوف کے اصول و ضوابط، صوفیانہ اصطلاحات کی تشریح، اور سلوک کی منازل کو تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ اس میں صوفیانہ آداب و اخلاق، شیخ کی اہمیت، اور مرید کے فرائض پر خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔ شیخ سہروردی نے تصوف کو شریعت کے تابع رکھ کر پیش کیا اور اسے اسلامی زندگی کا ایک لازمی جزو قرار دیا۔ یہ کتاب اس بات کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ مختلف صوفی سلاسل (خانقاہی نظام) کس طرح کام کرتے ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے۔ اس کی تدریس طلبہ کو صوفیانہ نظام اور اس کی عملیت کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

برصغیر میں تصوف کی ترویج میں "کشف المحجوب" از سید علی ہجویریؒ (معروف بہ داتا گنج بخشؒ) کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ فارسی زبان میں تصوف پر لکھی جانے والی اولین اور مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے، جو ہندوستان میں تصوف کے تعارف میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں تصوف کی تعریفات، مختلف صوفیانہ مسالک (جیسے جنیدیہ، طیفوریہ وغیرہ)، ان کے نظریات اور عظیم صوفیاء کرام کے احوالِ زندگی کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ داتا گنج بخشؒ نے اس میں تصوف کے حقائق کو قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا اور اس بات پر زور دیا کہ تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں۔ یہ کتاب نہ صرف نظریاتی بلکہ عملی تصوف کے پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتی ہے اور یہ طلبہ کو تصوف کی بنیادی تاریخ، اس کے فکری ارتقاء، اور اس کے عملی نمونوں سے روشناس کراتی ہے۔ ایک اور نمایاں کتاب "مکتوبات امام ربانی" از شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی) ہے، جو سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم رہنما تھے۔ یہ کتاب ان کے مکاتیب (خطوط) کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے مریدین اور ہم عصر علماء و امراء کو لکھے۔ ان مکتوبات میں امام ربانیؒ نے وحدت الوجود (وجود کی وحدت) اور وحدت الشہود (شہود کی وحدت) جیسے گہرے فکری مباحث کی نہایت باریک بینی سے وضاحت کی، اور اس بات پر زور دیا کہ وحدت الشہود شریعت کے زیادہ قریب ہے۔ انہوں نے دین میں بدعات کے خاتمے اور شریعت کی سختی سے پابندی پر زور دیا، جس نے برصغیر میں دینی احیاء کی ایک نئی لہر پیدا کی۔ "مکتوبات" کی تدریس طلبہ کو تصوف کے فکری پہلوؤں، خاص طور پر وجودی مباحث اور شریعت و طریقت کے درمیان توازن کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

یہ کتب تصوف کے مختلف مکاتبِ فکر، ان کے نظریات، اور ان کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں، اور طلبہ کو روحانیت کے گہرے سمندر سے روشناس کراتی ہیں۔ ان کا مطالعہ طلبہ میں روحانی بالیدگی، اخلاقی پختگی، اور اسلامی تعلیمات کی جامع تفہیم پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔[1]

نصابِ تصوف میں شامل صوفیاء کرام کی تعلیمات

نصابِ تصوف میں شامل صوفیاء کرام کی تعلیمات کا بنیادی اور اہم مقصد طلبہ میں زہد و تقویٰ (یعنی دنیاوی رغبتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اللہ کا خوف اور پرہیز گاری اختیار کرنا)، اخلاقِ حسنہ (اعلیٰ انسانی اوصاف جیسے سچائی، امانت، انصاف، عاجزی، محبت اور ایثار)، اور عشقِ الٰہی (اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے پناہ محبت اور اس کی رضا کا حصول) کا گہرا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ یہ تعلیمات صرف نظریاتی نہیں بلکہ عملی پہلوؤں پر زور دیتی ہیں تاکہ طلبہ کی سیرت و کردار کی مضبوط بنیاد رکھی جاسکے۔ ان عظیم ہستیوں میں سے حضرت داتا گنج بخشؒ، جن کا مزار لاہور میں مرجع خلائق ہے، کی تعلیمات کا محور محبتِ الٰہی اور خدمتِ خلق تھا۔ وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ اللہ کی حقیقی محبت کا اظہار اس کی مخلوق سے محبت اور ان کی خدمت کے ذریعے ہوتا ہے۔ ان کی تعلیمات میں عاجزی، خود غرضی سے پاکیزگی، اور عملی طور پر انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرنا، خواہ وہ

[1] ۔ عباسی، فضل عباس، تصوف کی مستند کتب: ایک تعارف، ص ۳۰

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

غریبوں کی مدد ہو، بیماروں کی عیادت ہو، یا ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا ہو، بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ یہ اعمال ہی درحقیقت الٰہی محبت کا عکس ہیں، اور انہی کے ذریعے انسان روحانی قرب حاصل کرتا ہے۔

حضرت معین الدین چشتیؒ، جو سلسلہ چشتیہ کے بانی اور اجمیر شریف میں مدفون ہیں، کی تعلیمات کی روح رواداری اور انسانیت سے محبت تھی۔ انہوں نے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت طاقت کے بجائے اخلاق، محبت اور پرامن بقائے باہمی کے ذریعے کی۔ ان کی خانقاہ کے دروازے ہر مذہب، نسل اور طبقے کے لوگوں کے لیے کھلے تھے، اور وہ سب کو یکساں عزت دیتے تھے۔ ان کا تصورِ 'خدمتِ خلق' (خدمتِ تخلیق) وسیع تر معنی میں انسانیت کی بے لوث خدمت پر مبنی تھا، جس نے برصغیر کے سماجی ڈھانچے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی تعلیمات نے طلبہ کو یہ سبق دیا کہ ایک سچا مسلمان وہی ہے جو دوسروں کے لیے نفع بخش ہو اور ہر ایک کے ساتھ محبت اور احترام سے پیش آئے۔ حضرت خواجہ فرید الدینؒ، کی تعلیمات سادگی اور قناعت کا بہترین نمونہ تھیں۔ ان کی حیاتِ مبارکہ انتہائی پرہیزگاری اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی (زہد) کا عملی ثبوت تھی۔ وہ 'فقر' (روحانی فقر) پر زور دیتے تھے، یعنی دنیاوی مال و دولت کی حرص سے آزاد ہو کر اللہ کی ذات پر مکمل توکل کرنا۔ ان کے کلام اور ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ حقیقی خوشی مادی اشیاء میں نہیں بلکہ روحانی اطمینان اور اللہ کی رضا میں ہے۔ ان کی سادہ اور گہری حکمت جو اکثر مقامی بولیوں میں بیان کی جاتی تھی، نے عام لوگوں پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ طلبہ کو ان کی تعلیمات سے صبر، شکر اور غیر ضروری خواہشات سے بچنے کا درس ملتا ہے۔

حضرت نظام الدینؒ، جو دہلی میں مدفون ہیں اور سلسلہ چشتیہ کے ایک اور عظیم رہنما ہیں، کی تعلیمات کا مرکز صبر، شکر اور اللہ پر توکل تھا۔ انہوں نے قلبی تبدیلی، ذکر و فکر اور اللہ کے ساتھ گہرے تعلق پر زور دیا۔ ان کا مشہور قول ہے کہ "اللہ کی محبت مخلوق کی محبت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے"۔ وہ انسان کو اپنی باطنی دنیا کو سنوارنے اور ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ان کی تعلیمات میں مخلوق کے دکھ درد میں شریک ہونا، اور انہیں روحانی تسلی فراہم کرنا شامل تھا، جس سے ان کا اثر و رسوخ پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، جن کا تعلق سرہند سے تھا اور جو سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم مصلح تھے، نے شریعت اور طریقت کے درمیان ہم آہنگی پر زور دے کر ایک انقلابی کردار ادا کیا۔ ان کا ماننا تھا کہ حقیقی تصوف شریعت کی مکمل پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ انہوں نے تصوف میں داخل ہونے والی بدعات کو ختم کرنے اور اسے اس کی اصل شکل پر بحال کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مشہور نظریہ 'وحدت الشہود' (شہود کی وحدت) تھا، جو 'وحدت الوجود' (وجود کی وحدت) کی تشریح کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش تھی۔ ان کی تعلیمات نے طلبہ کو یہ سکھایا کہ روحانی ترقی شریعت کے اصولوں سے انحراف کے بغیر ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور دین میں کوئی نیا راستہ ایجاد کرنا بدعت ہے۔ ان تمام عظیم صوفیاء کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ طلبہ کو نفسانی خواہشات پر قابو پانے اور ایک پرہیزگار زندگی گزارنے کا راستہ ملتا ہے۔ یہ تعلیمات طلبہ کو محض ظاہری عبادات پر اکتفا کرنے کے بجائے، اپنے باطن کو پاک کرنے، اخلاق کو سنوارنے اور اللہ سے مضبوط قلبی تعلق قائم کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ اس طرح، نصابِ تصوف طلبہ کی عملی زندگی میں روحانیت اور اخلاقی اقدار کو اپنانے کی جامع ترغیب فراہم کرتا ہے اور انہیں معاشرے کے لیے مفید اور دین دار فرد بننے میں مدد دیتا ہے۔ [1]

نصابِ تصوف کے تدریسی طریقۂ کار

مدارس میں نصابِ تصوف کی تدریس کا طریقۂ کار عموماً درس و تدریس، مطالعہ، بحث و مباحثہ اور عملی مشق پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ طریقۂ کار نہ صرف نظریاتی تفہیم بلکہ عملی روحانی تربیت پر بھی محیط ہے تاکہ طلبہ کی شخصیت کی جامع نشوونما ہو سکے۔ درس و تدریس کا عمل مدارس میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جہاں اساتذہ تصوف کی کلاسیکی کتب کے متن کی تشریح کرتے ہیں اور ان کے گہرے معانی کو طلبہ کے سامنے واضح کرتے ہیں۔ یہ دروس روایتی انداز میں دیے جاتے ہیں، جہاں استاد کتبِ تصوف کے مشکل مقامات کو آسان زبان میں سمجھاتے ہیں اور ان کے عملی اطلاق کی وضاحت کرتے ہیں۔ مطالعہ کے ذریعے طلبہ کو تصوف کی بنیادی کتب کو خود پڑھنے اور سمجھنے کی ترغیب دی جاتی ہے، تاکہ ان میں خود اعتمادی اور گہرائی سے مطالعہ کرنے کی عادت پیدا ہو۔ مزید برآں، بحث و مباحثہ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، جس میں طلبہ تصوف کے مختلف فکری اور نظریاتی

[1] ۔ قادري، حامد قادري، برصغیر کے صوفیائے کرام اور ان کی تعلیمات، ملتان: جمالي پبلشرز، (٢٠١٦)، ص ٨٠

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

پہلوؤں پر تبادلہ خیال کرتے ہیں اور اپنے سوالات وشبہات کو دور کرتے ہیں۔ یہ مباحثے طلبہ میں تنقیدی سوچ اور موضوع کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں۔ نظریاتی تعلیم کے ساتھ ساتھ، اساتذہ عملی طور پر تزکیہ نفس (نفس کی پاکیزگی) اور اخلاقی تربیت (اچھے اخلاق کا حصول) بھی دیتے ہیں، جو تصوف کا اصل جوہر ہے۔ اس عملی تربیت میں کئی مشقیں شامل ہوتی ہیں:

مجاہدہ

یہ نفسانی خواہشات کے خلاف جدوجہد کا نام ہے، جس میں طلبہ کو اپنی بری عادات اور نفس کی بے جا رغبتوں پر قابو پانے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ ایک اندرونی جہادِ اکبر ہے جو روحانی ترقی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کم سونا تاکہ تہجد اور ذکر کے لیے وقت ملے، کم کھانا تاکہ نفس کی شکم پرستی کم ہو، کم بولنا تاکہ فضول گوئی سے بچ کر ذکر اور فکر پر توجہ دی جائے، اور غیر ضروری محفلوں سے اجتناب جیسی چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، تاکہ نفس کی قوت کو کمزور کر کے روحانی قوت کو مضبوط کیا جا سکے۔ مجاہدہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر سے غصہ، حرص، جھوٹ، حسد اور تکبر جیسی اخلاقی رذائل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، جس کے نتیجے میں اندرونی سکون، ذہنی وضاحت، اور مکمل خودی پر قابو حاصل ہوتا ہے۔

ریاضت

یہ روحانی مشقیں اور نظم وضبط ہے، جس میں ذکر و فکر اور دیگر عبادات کو مستقل مزاجی سے ادا کرنا شامل ہے۔ نظم وضبط سے مراد ایک منظم اور باقاعدہ روحانی شیڈول کی پیروی ہے جو مرشد کی رہنمائی میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس میں نمازِ تہجد، اشراق وچاشت کی نمازیں، نفل روزے، اور مخصوص اوقات میں اللہ کی یاد میں مستغرق رہنا شامل ہیں۔ ریاضت کا مقصد قلب کو پاکیزہ کرنا، اسے اللہ کی یاد کا مرکز بنانا اور دنیوی آلائشوں سے پاک کرنا ہے، جس سے اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق مزید گہرا ہوتا ہے۔ بعض صوفیاء ریاضت میں خلوت (تنہائی اختیار کرنا) اور چلہ کشی کو بھی شامل کرتے ہیں تاکہ دل کو تمام دنیوی مشغولیتوں سے فارغ کر کے مکمل طور پر اللہ کی طرف متوجہ کیا جا سکے۔

ذکر و فکر

ذکر (اللہ کا ذکر) تصوف کا ایک بنیادی ستون ہے، جس میں طلبہ کو مختلف اذکار (کلماتِ الٰہی) کا ورد سکھایا جاتا ہے جیسے کلمہ طیبہ، استغفار، درود شریف، اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ۔ اس میں ذکرِ جلی (بآواز بلند ذکر) اور ذکرِ خفی (خاموشی سے دل میں ذکر) دونوں شامل ہوتے ہیں۔ ذکر کا مقصد دل کو اللہ کی یاد سے زندہ کرنا، اسے غفلت (دنیوی معاملات میں اس قدر مشغول ہونا کہ اللہ سے غافل ہو جائے) سے بچانا، اور روحانی توانائی حاصل کرنا ہے۔ مسلسل ذکر انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے اور اس کے دل میں روحانی نور پیدا کرتا ہے۔ فکر (غور و فکر) میں طلبہ کو کائنات کی تخلیق، اللہ کی نشانیوں (آیات اللہ) پر گہرا غور کرنے، اور موت و آخرت پر تدبر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، جس سے معرفت (اللہ کی پہچان) میں اضافہ ہوتا ہے اور انہیں اپنی زندگی کی حقیقت اور مقصد کا گہرا ادراک ہوتا ہے۔ کائنات میں اللہ کی نشانیوں پر غور وخوض، جیسے سورج، چاند، ستارے، زمین اور آسمان، انسان کو اللہ کی قدرت، حکمت اور عظمت کا احساس دلاتا ہے اور اس کے ایمان کو پختگی بخشتا ہے۔

مراقبہ

یہ ایک طرح کی روحانی مراقبہ اور ارتکاز (meditation) ہے، جس میں طلبہ آنکھیں بند کر کے کسی خاص نورانی تصور یا اللہ کے اسماء وصفات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ اس کا مقصد قلب کو پرسکون کرنا، دنیوی خیالات کو دور کرنا اور باطنی سکون حاصل کرنا ہے۔ یہ تمام عملی مشقیں طلبہ کو روحانی کیفیات سے آشنا کرنے اور انہیں باطنی بصیرت (اندرونی دانشمندی اور حقیقت کو دیکھنے کی صلاحیت) حاصل کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ بعض مدارس میں، جو تصوف کے کسی خاص سلسلے سے وابستہ ہوتے ہیں، طلبہ کو کسی مستند شیخ یا مرشد (روحانی استاد) کی سرپرستی میں سلوک کی منازل (روحانی ترقی کے مراحل) طے کرنے کی ترغیب بھی دی جاتی ہے۔ شیخ کا کردار ایک رہنما کا ہوتا ہے جو طالبِ سلوک (مرید) کو اس کے روحانی سفر میں درپیش چیلنجز اور مشکلات سے نکالتا ہے۔ مرید شیخ کے ہاتھ پر بیعت (وفاداری کا عہد) کرتا ہے اور اس کی رہنمائی میں اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے۔ شیخ، مرید کی استعداد اور ضرورت کے مطابق اسے انفرادی رہنمائی اور تربیت فراہم کرتا ہے، جس میں مخصوص اوراد (روزانہ پڑھے جانے والے وظائف)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

اور عملی مشقیں شامل ہوتی ہیں۔ شیخ کی صحبت (معیت) کو بھی انتہائی اہم سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس سے مرید کے دل میں روحانیت اور اخلاقی صفات منتقل ہوتی ہیں۔ یہ رہنمائی طلبہ کے روحانی سفر کے لیے انتہائی اہم ہے، کیونکہ اس کے بغیر روحانی راستے پر بھٹکنے کا خطرہ ہوتا ہے۔[1]

نصابِ تصوف کے روحانی واخلاقی مقاصد

نصابِ تصوف طلبہ کی علمی وفکری تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ صرف معلومات فراہم نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں گہرا شعور اور ادراک عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ انہیں اسلامی علوم کو گہرائی میں سمجھنے، محض سطحی مطالعے کے بجائے ان کے باطنی مفاہیم اور حکمتوں تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت دیتا ہے۔ مثلاً، قرآن وحدیث کے ظاہری احکام کے ساتھ ساتھ ان کے پیچھے کار فرما روحانی مقاصد کو پہچاننا۔ مزید یہ کہ، یہ نصاب طلبہ کو کائنات کے اسرار پر غور کرنے اور اللہ کی تخلیق کی عظمت کو پہچاننے کی ترغیب دیتا ہے۔ مراقبہ اور تفکر جیسی صوفیانہ مشقیں طلبہ کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ کائنات میں موجود اللہ کی نشانیوں پر گہرا غور کریں، جس سے ان کے ایمان میں پختگی اور اللہ سے تعلق میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔

یہ تربیت انہیں زندگی کے حقیقی مقصد کو پہچاننے کی بصیرت (insight) فراہم کرتی ہے۔ یہ بصیرت انہیں دنیاوی فلاح وکامیابی کے ساتھ ساتھ اخروی نجات کی اہمیت کا ادراک کراتی ہے، اور انہیں اپنی زندگی کو ایک بڑے مقصد، یعنی اللہ کی رضا اور قرب کے حصول کے لیے وقف کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ دراصل معرفتِ الٰہی (اللہ کی پہچان اور اس کے صفات کا ادراک) کا راستہ ہے، جو صرف علمی اکتساب سے نہیں بلکہ قلبی پاکیزگی اور روحانی ریاضت سے حاصل ہوتا ہے۔ تصوف کی تعلیمات طلبہ کے ذہنوں کو کشادہ کرتی ہیں اور انہیں روایتی علوم (جیسے فقہ، منطق، نحو) کے ساتھ ساتھ روحانی دانش (divine wisdom) سے بھی آراستہ کرتی ہیں، جو انہیں زندگی کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور اخلاقی چیلنجز کا سامنا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ دانش انہیں محض اصول وضوابط کی پیروی کے بجائے ان کی روح کو سمجھنے اور انہیں اپنی عملی زندگی کا حصہ بنانے کی ترغیب دیتی ہے۔

اس کے علاوہ، نصابِ تصوف طلبہ میں تنقیدی سوچ (critical thinking) اور خود احتسابی (self-accountability) کے گہرے جذبے کو فروغ دیتا ہے۔ تصوف انسان کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنے، اپنی خامیوں کو پہچاننے، اور انہیں دور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ خود احتسابی انہیں محض دوسروں پر تنقید کرنے کے بجائے اپنی ذات پر توجہ دینے اور اپنی اصلاح کرنے کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس سے وہ نہ صرف دینی مسائل کو بہتر انداز میں سمجھتے ہیں اور ان کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں، بلکہ زندگی کے دیگر چیلنجز (مثلاً معاشرتی دباؤ، اخلاقی انحرافات) کا سامنا بھی زیادہ فکری پختگی اور پر اعتماد طریقے سے کر سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے طلبہ یہ سیکھتے ہیں کہ علم کا مقصد صرف معلومات کا حصول یا محض دنیاوی فائدہ نہیں بلکہ حقیقی مقصد علم کو عمل میں ڈھالنا، روحانی ترقی حاصل کرنا، اور اپنی ذات کے ساتھ ساتھ معاشرے میں مثبت تبدیلی لانا بھی ہے۔ یہ نصاب انہیں ایک متوازن شخصیت بنانے میں مدد کرتا ہے جو علم، عمل اور روحانیت کا حسین امتزاج ہو۔[2]

نصابِ تصوف اور طلبہ کی علمی وفکری تربیت

نصابِ تصوف طلبہ کی علمی وفکری تربیت میں ایک اساسی اور انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے، جو محض سطحی معلومات فراہم کرنے کے بجائے انہیں گہرا شعور اور ادراک عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ تربیت طلبہ کو اسلامی علوم کو سطحی مطالعے سے بلند کرکے ان کے باطنی مفاہیم اور حکمتوں (esoteric meanings and wisdom) تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، فقہی احکام کے پیچھے کار فرما مقاصدِ شریعت، احادیث نبویہ کے اخلاقی پیغامات کی گہرائی، اور قرآنی آیات کے روحانی رموز کو پہچاننا اس تربیت کا حصہ ہے۔ یہ نصاب انہیں صرف یہ نہیں سکھاتا کہ کیا کرنا ہے، بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ کیوں کرنا ہے اور اس

1۔ نقشبندی، طاہر نقشبندی، تدریس تصوف کے طریقۂ کار، لاہور: حکمت پبلشرز، (۲۰۱۹)، ص ۵۰

2۔ غزالی، ابو حامد محمد، روحانی علوم کا تعارف، مترجم: قمر سید احمد، لاہور: دارالاشاعت، (۲۰۰۶)، ص ۱۰۵

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

عمل کی گہری روحانی بنیاد کیا ہے۔ مزید بر آں، یہ نصاب طلبہ کو کائنات کے اسرار پر غور کرنے اور اللہ کی تخلیق کی عظمت کو پہچاننے کی گہری ترغیب دیتا ہے۔ یہ انہیں آفاقی (cosmic) اور انفسی (introspective) آیاتِ الٰہی پر تفکر کی دعوت دیتا ہے، جس سے وہ فطرت کے ہر ذرے میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ مراقبہ اور تفکر جیسی صوفیانہ مشقیں طلبہ کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ کائنات میں موجود اللہ کی نشانیوں پر گہرا غور کریں، جس سے ان کے ایمان میں پختگی آتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق محض عقیدے سے بڑھ کر گہرے ذاتی تجربے اور معرفت میں بدل جاتا ہے۔ یہ روحانی ریاضتیں انہیں اندرونی سکون، ذہنی وضاحت، اور ایک بلند تر اخلاقی شعور عطا کرتی ہیں، جو انہیں دین کو محض ایک رسمی مذہب کے بجائے ایک زندہ اور متحرک حقیقت کے طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس طرح تصوف کا نصاب طلبہ کے اندر ایک ایسا فکری نظام پروان چڑھاتا ہے جو علم کو دل کی روشنی سے منور کرتا ہے اور انہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ نہ صرف علمی میدان میں سبقت حاصل کریں بلکہ روحانی اور اخلاقی طور پر بھی ایک مکمل انسان بن سکیں۔[1]

مدارس کے مختلف مسالک میں نصابِ تصوف کا تقابلی جائزہ

مدارس کے مختلف مسالک، مثلاً دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث وغیرہ، میں نصابِ تصوف کی شمولیت اور تدریس کا انداز اور اس کی نوعیت میں کچھ نمایاں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ اختلافات ان مسالک کی بنیادی فکری بنیادوں، تاریخ اور ترجیحات کی عکاسی کرتے ہیں۔ بریلوی مدارس میں تصوف کو نصاب کا ایک بنیادی اور لازمی جزو سمجھا جاتا ہے، اور اس کی تدریس پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ بریلوی مکتبہ فکر خود کو صوفیانہ سلسلوں سے گہرا وابستہ محسوس کرتا ہے، اور تصوف کو اسلامی تعلیمات کی روح اور دل سمجھتا ہے۔ ان مدارس میں نہ صرف تصوف کی معروف کتب جیسے "کشف المحجوب"، "عوارف المعارف"، "فصوص الحکم" (مخصوص تشریحات کے ساتھ) اور دیگر صوفی مشائخ کے مکتوبات وملفوظات پڑھائے جاتے ہیں، بلکہ عملی تصوف پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ اس میں ذکر، مراقبہ، اوراد ووظائف اور مشائخ کی صحبت کو طلبہ کی روحانی تربیت کے لیے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ بریلوی مدارس میں طلبہ کو اکثر کسی پیر یا مرشد سے بیعت کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، اور خانقاہی نظام کا اثر بھی ان کے تعلیمی ڈھانچے پر نمایاں ہوتا ہے۔ یہ طرزِ عمل انہیں نہ صرف نظریاتی بلکہ عملی طور پر بھی روحانیت سے جوڑتا ہے، اور وہ صوفیانہ اقدار کو اپنی زندگی کا حصہ بناتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ تصوف کے بغیر دین کی مکمل سمجھ اور عملی اطلاق ممکن نہیں۔

اس کے برعکس، دیوبندی مدارس میں تصوف کو شریعت کے تابع رہ کر پڑھایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں تصوف کو ایک ایسا ذریعہ سمجھا جاتا ہے جو شریعت پر عمل کو کامل بناتا ہے اور تزکیہ نفس (نفس کی پاکیزگی) کے لیے ضروری قرار دیا جاتا ہے، لیکن اسے شریعت سے بالاتر یا اس کا متبادل نہیں سمجھا جاتا۔ دیوبندی علماء کرام نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ تصوف کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھا جائے اور اس میں داخل ہونے والی بدعات (نئی چیزیں جو دین کا حصہ نہیں) سے اجتناب کیا جائے۔ ان کے نصاب میں بھی تصوف کی کتب شامل ہیں، جیسے امام غزالیؒ کی "احیاء علوم الدین" کے بعض اجزاء، حضرت تھانویؒ کی "بہشتی زیور" کے روحانی حصے، اور ان کے اپنے مشائخ کی کتب وملفوظات، لیکن بریلوی مدارس کی نسبت اس کی نظریاتی تدریس اور بعض صوفیانہ رسومات پر کم زور دیا جاتا ہے۔ دیوبندی مکتبہ فکر میں تزکیہ نفس پر عملی زور ہوتا ہے، جہاں شیخ کی نگرانی میں مجاہدہ، ریاضت اور ذکر وفکر کو اہمیت دی جاتی ہے تاکہ اخلاص اور تقویٰ حاصل ہو۔ ان کے ہاں سلسلہ نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ کی اجازت (خلافت) بھی پائی جاتی ہے، لیکن ہمیشہ شریعت کی پابندی کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ جبکہ اہل حدیث مکتبہ فکر میں عام طور پر تصوف کو اس کی رسمی شکل (جیسے صوفیانہ سلاسل، خانقاہی نظام، پیر مریدی) میں نصاب کا حصہ نہیں بنایا جاتا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ تزکیہ نفس اور اخلاقی تربیت براہ راست قرآن وسنت کی تعلیمات سے حاصل کی جا سکتی ہے، اور اس کے لیے کسی مخصوص صوفیانہ نظام یا کتب کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر اس عمل کو بدعت قرار دیتے ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو۔ تاہم، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح کے مخالف ہیں؛ بلکہ وہ تزکیہ نفس کے لیے براہ راست قرآن وسنت کی تعلیمات پر زور دیتے ہیں، جس میں خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرنا، ذکر و

[1] ۔ غزالی، ابوحامد محمد، روحانی علوم کا تعارف، مترجم: قمر سید احمد ص ۱۰۵

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

اذکار، تلاوتِ قرآن، اور سیرتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنا شامل ہے۔ وہ اخلاقِ حسنہ کو دین کا لازمی جزو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے لیے مخصوص صوفیانہ طریقوں کی بجائے صحابہ کرام اور سلف صالحین کے طریقوں کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ تاہم، ان تمام مسالک میں بنیادی مقاصد، یعنی روحانی و اخلاقی تربیت، میں قدرے ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ تمام مکاتب فکر کا مشترکہ ہدف یہ ہے کہ طلبہ کو با اخلاق، متقی اور اللہ سے قریب کرنے والی شخصیت بنایا جائے، تاکہ وہ دین کے علم کے ساتھ ساتھ اس کی روح کو بھی سمجھ سکیں۔ اختلافات طریقوں اور نظریاتی تفہیم میں ہیں، نہ کہ اخلاقی اور روحانی ترقی کے حتمی مقصد میں۔ [1]

نصابِ تصوف میں جدید تبدیلیوں کی ضرورت

موجودہ دور کے تقاضوں اور چیلنجز کی روشنی میں نصابِ تصوف میں جدید تبدیلیوں کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے، اور یہ ایک محض اختیاری امر نہیں بلکہ وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکی ہے۔ اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی دنیا بھر میں اور خاص طور پر مسلم معاشروں میں کئی ایسے نئے مسائل اور چیلنجز ابھر کر سامنے آئے ہیں جن کا مقابلہ کرنے کے لیے تصوف کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات کو ایک مؤثر اور قابل فہم انداز میں پیش کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ عصر حاضر کے ان مسائل میں سب سے پہلے انتہا پسندی اور شدت پسندی کو لیا جا سکتا ہے، جہاں نوجوانوں میں عدم برداشت، فکری جمود، اور تشدد کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ تصوف کی تعلیمات، جو رواداری، محبت، صبر، عاجزی اور بھائی چارے پر مبنی ہیں، اس انتہا پسندی کا ایک بہترین روحانی تریاق (علاج) فراہم کر سکتی ہیں۔ یہ تعلیمات انسان کو دوسروں کی رائے کا احترام کرنے، اختلافات کو مثبت انداز میں حل کرنے، اور معاشرے میں امن و ہم آہنگی کو فروغ دینے کی ترغیب دیتی ہیں۔ دوسرا بڑا چیلنج سائبر دنیا کے اثرات ہیں۔ انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے جہاں معلومات تک رسائی کو آسان بنا کر بے شمار مواقع پیدا کیے ہیں، وہیں اس نے افراد کو شدید تنہائی، ذہنی انتشار، اور غلط معلومات کے سیلاب میں بھی دھکیل دیا ہے۔ نوجوان نسل تیزی سے مادی اور سطحی معلومات کے چنگل میں پھنس رہی ہے، اور روحانی اقدار سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ آن لائن مواد کی بھرمار نے فکری الجھنوں کو جنم دیا ہے، اور روایتی اقدار کا تیزی سے خاتمہ ہو رہا ہے۔ ایسے میں تصوف کی تعلیمات انہیں خود احتسابی، قلبی سکون اور ذہنی یکسوئی فراہم کر سکتی ہیں، بشرطیکہ انہیں ڈیجیٹل ذرائع سے ہی مؤثر انداز میں پہنچایا جائے اور ان کی عملی زندگی سے جوڑا جا سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ، عالمی سطح پر اخلاقی بحران اور تیزی سے بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار بھی ایک تشویشناک صورتحال پیدا کر رہی ہیں۔ مغرب سے درآمد شدہ مادہ پرستی، صارفیت (consumerism)، اور انتہا پسندانہ انفرادیت (extreme individualism) اسلامی معاشرتی اقدار جیسے خاندان کے تقدس، اجتماعی بھائی چارے اور دوسروں کے حقوق کو کمزور کر رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں معاشرے میں بے اطمینانی، ڈپریشن، ذہنی تناؤ، اور بے مقصدیت کا احساس عام ہو رہا ہے۔ تصوف کی تعلیمات انسان کو دنیاوی ہوس سے بالاتر ہو کر اخروی کامیابی پر توجہ دینے، قناعت اختیار کرنے، دوسروں کی مدد کرنے، اور رضائے الٰہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ یہ تعلیمات انسان کو اپنی اندرونی دنیا کو سنوارنے اور ظاہری چمک دمک کے بجائے روحانی بالیدگی کو ترجیح دینے کا درس دیتی ہیں۔ لہٰذا، ان تمام چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے تصوف کی تعلیمات کو جدید فکری اسالیب میں پیش کرنا ضروری ہے، تاکہ یہ طلبہ اور عام افراد کے لیے زیادہ قابل فہم اور قابل عمل بن سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تصوف کے گہرے فکری و روحانی تصورات کو جدید سائنسی نظریات، نفسیاتی تجزیوں اور عصری فلسفے کے نقطہ نظر سے جوڑ کر پیش کیا جائے، تاکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس کی اہمیت کو سمجھ سکے اور اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا سکے۔ اس کے علاوہ، تصوف کی تعلیمات کو عصری زبان اور اصطلاحات میں ڈھال کر پیش کرنا چاہیے تاکہ نئی نسل اسے آسانی سے سمجھ سکے اور اس سے عملی فائدہ اٹھا سکے۔ قدیم صوفیانہ کتب کی زبان اکثر مشکل، علامتی، اور مخصوص اصطلاحات (جیسے فنا، بقا، وحدت الوجود، وحدت الشہود) سے بھری ہوتی ہے، جو آج کے قاری کے لیے اجنبی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کتب کا آسان اور رواں ترجمہ کیا جائے جو عصر حاضر کے ادبی اور فکری معیار کے مطابق ہو۔ یا پھر، نئے نصاب مرتب کیے جائیں جو آج کی زبان، مثالوں اور اسلوب میں تصوف کے آفاقی پیغام کو پیش کریں۔ مثلاً، 'فنا فی اللہ' جیسے تصور کو جدید نفسیات میں 'انا کی قربانی' یا 'خود سے

[1] ۔ عثمانی، تقی عثمانی، مسالک اور مدارس: ایک تقابلی مطالعہ، لاہور: ریسرچ پبلیکیشنز، (۲۰۲۰)، ص ۶۰

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

ماوراہو کر اعلیٰ مقصد سے جڑنے' کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس سے نہ صرف تصوف کی افادیت عام ہو گی بلکہ یہ معاشرے میں روحانیت اور اخلاقی اقدار کے احیاء کا بھی باعث بنے گا، اور ایک متوازن، پرامن اور اخلاقی طور پر مضبوط معاشرہ تشکیل پائے گا۔ اگر یہ تبدیلیاں نہیں کی جاتیں، تو تصوف کی عظیم روحانی میراث محض تاریخ کا حصہ بن کر رہ جائے گی اور اپنی افادیت کھو دے گی، جس سے معاشرہ روحانی خلا اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہو سکتا ہے۔ [1]

نصابِ تصوف اور موجودہ دینی تعلیمی ڈھانچہ

نصابِ تصوف موجودہ دینی تعلیمی ڈھانچے کا ایک لازمی حصہ ہے، لیکن اس کی تدریس کے طریقۂ کار اور وقت کے تعین پر نظر ثانی کی ضرورت ہے تاکہ یہ دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ کہ تصوف اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جز و رہا ہے، تاہم اس کی تدریس کے موجودہ طریقہ کار کو مزید مؤثر اور فعال بنانے کی ضرورت ہے۔ اسے دیگر علوم (جیسے فقہ، حدیث، تفسیر) کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کر کے پڑھایا جائے کہ یہ محض ایک علیحدہ مضمون نہ رہے بلکہ اسلامی علوم کے مجموعی فریم ورک کا ایک فطری اور لازم وملزوم حصہ محسوس ہو۔ اس ہم آہنگی کا مقصد یہ ہے کہ یہ طلبہ کی ذہنی اور روحانی نشوونما میں ایک توازن پیدا کر سکے گی، جہاں وہ علمی پختگی کے ساتھ ساتھ باطنی سکون اور اخلاقی ترقی بھی حاصل کر سکیں۔ اس سے وہ علومِ ظاہری و باطنی کو ایک دوسرے کا متصادم نہیں بلکہ ایک دوسرے کا معاون سمجھیں گے۔ موجودہ تعلیمی ڈھانچے میں، بد قسمتی سے، تصوف کو بعض اوقات محض ایک ضمنی مضمون کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور طلبہ بھی اسے سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ اس کے برعکس، اسے ایک بنیادی حیثیت دی جانی چاہیے جو طلبہ کی عملی زندگی اور اخلاقی کردار کی تشکیل میں براہ راست معاون ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تصوف کے بنیادی تصورات اور اخلاقی تعلیمات کو نصاب کے اوائل سے ہی شامل کیا جائے اور اسے تدریس کے ہر مرحلے پر زیر بحث لایا جائے۔ مثال کے طور پر، فقہ پڑھاتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ عبادات کی ظاہری شکل کے ساتھ ساتھ ان کی باطنی روح (خشوع و خضوع، اخلاص) کیا ہے جو تصوف سکھاتا ہے۔ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے احادیث میں بیان کردہ اخلاقیات کو صوفیانہ نقطہ نظر سے جوڑا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تدریسی طریقوں میں بھی جدیدیت لائی جائے اور جدید تدریسی وسائل، جیسے سیمینارز، ورکشاپس اور عملی مشقوں کا اہتمام کیا جانا چاہیے، تاکہ طلبہ تصوف کی روح کو محض کتابی معلومات کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ اور قابل عمل حقیقت کے طور پر سمجھ سکیں۔ سیمینارز میں تصوف کے مختلف فکری اور عملی پہلوؤں پر ماہرین کے لیکچرز کا اہتمام کیا جائے، جہاں طلبہ براہ راست سوالات پوچھ سکیں اور فکری مباحث میں حصہ لے سکیں۔ ورکشاپس میں عملی مشقوں، جیسے مراقبہ، ذکر، اور خود احتسابی کے مختلف طریقوں کی تربیت دی جائے، تاکہ طلبہ کو روحانی تجربات سے آشنائی ہو سکے۔ یہ عملی مشقیں انہیں تزکیہ نفس اور اخلاقی صفات کو اپنی ذات میں جذب کرنے میں مدد دیں گی۔ مزید برآں، جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے آن لائن کورسز، ویڈیوز اور انٹرایکٹو مواد تیار کیا جائے جو تصوف کی تعلیمات کو زیادہ دلکش اور قابل رسائی بنا سکے۔ اس سے طلبہ میں تصوف کے تئیں دلچسپی بڑھے گی اور وہ اسے اپنی عملی زندگی میں زیادہ مؤثر طریقے سے لاگو کر سکیں گے۔ ان اقدامات سے نہ صرف دینی مدارس کے طلبہ میں روحانی بالیدگی آئے گی بلکہ وہ ایک متوازن اور با اخلاق شخصیت بن کر معاشرے میں مثبت کردار ادا کر سکیں گے۔ [2]

مدارس کے اساتذہ کی نظر میں نصابِ تصوف کی افادیت

مدارس کے اساتذہ عام طور پر نصابِ تصوف کو طلبہ کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لیے انتہائی مفید سمجھتے ہیں، بلکہ بعض اوقات اسے ناگزیر بھی قرار دیتے ہیں۔ ان کا گہرا ماننا ہے کہ تصوف کی تعلیمات طلبہ میں ایسے اوصاف پیدا کرتی ہیں جو ایک مثالی مسلمان، ایک کامیاب عالم دین، اور ایک مؤثر مبلغ کے لیے ضروری ہیں۔ یہ اوصاف صرف کتابی علم سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ باطنی ریاضت اور قلبی پاکیزگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اساتذہ کے نزدیک، تصوف طلبہ میں عاجزی (humility) پیدا کرتا ہے جو علم کے غرور

[1] ۔ خان، انور خان، دینی نصاب میں جدیدیت: ضرورت واہمیت، لاہور: فضل پبلشرز، (۲۰۲۱)، ص ۵۵

[2] ۔ محمد، سلیم محمد، دینی تعلیم کا ڈھانچہ: ایک تجزیہ، کراچی: تعلیمی بورڈ، (۲۰۲۲)، ص ۴۵۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

سے بچاتی ہے اور انہیں یہ سکھاتی ہے کہ حقیقی علم تو اللہ کے پاس ہے اور انسان کو ہمیشہ اپنی کم علمی کا احساس رہنا چاہیے۔ یہ انہیں تکبر سے بچا کر دوسروں کے ساتھ احترام سے پیش آنے کی ترغیب دیتا ہے۔ صبر (patience) اور برداشت (tolerance) کی تعلیمات طلبہ کو زندگی کی مشکلات، تعلیمی چیلنجز، اور معاشرتی ناانصافیوں کا سامنا پختگی اور حوصلے سے کرنے کی ہمت دیتی ہیں۔ یہ انہیں سکھاتی ہیں کہ جلد بازی اور مایوسی سے گریز کرتے ہوئے اللہ کی مدد پر توکل کیا جائے۔ قناعت (contentment) انہیں دنیاوی حرص و طمع سے بچاتی ہے اور انہیں حاصل شدہ رزق پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے ان کی زندگی میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ توکل (reliance on Allah) اور اللہ پر مکمل اعتماد (complete trust in Allah) انہیں تمام معاملات میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے، خواہ حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں۔ یہ انہیں یہ یقین دلاتا ہے کہ اللہ ان کا بہترین کارساز ہے اور تمام مشکلات سے نکالنے والا ہے۔ یہ اوصاف طلبہ کو محض ظاہری عبادات پر اکتفا کرنے کے بجائے ان کی باطنی روح کو سمجھنے اور انہیں اپنی عملی زندگی میں جذب کرنے کی تحریک دیتے ہیں۔ ایک عالم دین کے لیے یہ اوصاف انتہائی اہم ہیں تاکہ وہ نہ صرف علم سکھائے بلکہ اپنی سیرت سے بھی لوگوں کو متاثر کر سکے۔ اساتذہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ تصوف طلبہذہ ناندرونی سکونیت سے ج (peace فراہم کرتا ہے اور انہیں دنیاوی کشمکش اور مادی خواہشات کا ہجوم میں ثابت قدم رہنے کی ہمت دیتا ہے۔ مطالعہ طلبہ کے آج کے تیز رفتار دور میں جہاں نوجوان ذہنی دباؤ اور بے چینی کا شکار ہیں، تصوف کی تعلیمات انہیں قلبی اطمینان اور نفسیاتی استحکام فراہم کر سکتی ہیں۔ یہ انہیں اپنی روح سے جڑنے اور اندرونی طور پر اللہ سے تعلق قائم کرنے کا راستہ دکھاتا ہے، جس سے انہیں دنیاوی آندھیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مضبوط قلعہ مل جاتا ہے۔ یہ سکون انہیں اپنی تعلیم پر زیادہ توجہ دینے، اپنی صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے استعمال کرنے، اور معاشرتی خدمت کے لیے زیادہ فعال ہونے ان کے نزدیک، تصوف کے بغیر دینی علم ادھورا ہے کیونکہ یہ علم کو محض معلومات کا ذخیرہ نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے عمل اور روحانیت سے جوڑتا ہے۔ تصوف دراصل علم کو عمل کا محرک بناتا ہے اور روحانیت کو عملی زندگی کا حصہ۔ یہ طالب علم کو یہ سکھاتا ہے کہ علم کا حقیقی مقصد اللہ کی معرفت اور اس کی رضا کا حصول ہے، اور یہ مقصد عملی تقویٰ اور اخلاص کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر علم روح سے خالی ہو تو وہ محض ایک بوجھ بن جاتا ہے، جبکہ تصوف اسے ایک زندہ قوت میں بدل دیتا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کے لیے مفید ہے۔[1]

طلبہ کے نقطۂ نظر سے نصابِ تصوف کا مطالعہ

طلبہ کے نقطۂ نظر سے نصابِ تصوف کا مطالعہ ایک متنوع تصویر پیش کرتا ہے جہاں مختلف طلبہ کی آراء اور تجربات مختلف ہوتے ہیں۔ یہ تنوع نصاب کی اہمیت اور اس کی تدریس کے طریقۂ کار پر اہم روشنی ڈالتا ہے۔ ایک طرف، بعضتے ہیں۔ جا روحانی سکون اور قلبی اطمینان کا گہرا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ خاص طور پر وہ طلبہ ہوتے ہیں جو ذاتی روحانی بالیدگی کے متلاشی ہیں رکھنا چاہتے۔ ایسے طلبہ تصوف کے کی طرز کِو تدریس، نصاب کی پیش کرنے، اللہ سے اپ مضامین کو اپنے ایمان کو مضبوط کرنے، اللہ سے اپنے تعلق کو گہرا کرنے، اور اپنی عملی زندگی میں تقویٰ (پرہیزگاری) اختیار کرنے میں انتہائی مددگار پاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تصوف انہیں دنیاوی ہوس، مادی دباؤ، اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا راستہ دکھاتا ہے، جس سے انہیں اندرونی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ ان کے لیے ایک ایسا ذریعہ ہے جو انہیں ذہنی بے چینی اور اضطراب سے نجات دلا کر ایک پرسکون اور بامقصد زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان کے لیے تصوف ایک عملی راستہ ہے جو انہیں اللہ کے قرب کی طرف لے جاتا ہے۔

دوسری طرف، کچھ طلبہ اسے محض ایک رسمی سبق سمجھتے ہیں جس کی گہرائیوں تک وہ رسائی حاصل نہیں کر پاتے۔ ان کے لیے یہ ایک ایسا مضمون ہوتا ہے جسے انہیں صرف امتحان پاس کرنے کی حد تک پڑھنا ہوتا ہے، اور وہ اس کی عملی اہمیت اور اپنی زندگی پر اس کے اثرات سے واقف نہیں ہوتے۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں:

اساتذہ کی طرزِ تدریس: بعض اساتذہ شاید تصوف کے نظریاتی پہلوؤں پر زیادہ زور دیتے ہوں اور اس کے عملی پہلوؤں کو مؤثر طریقے سے اجاگر نہ کر پاتے ہوں۔ اگر استاد خود تصوف کی روح سے مکمل طور پر آشنا نہ ہو یا اسے جدید تدریسی طریقوں سے پیش نہ کر سکے، تو طلبہ کے لیے اس مضمون میں دلچسپی پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ اسے

[1] ۔ محمدي، عارف محمدي، مدارس میں روحاني تربیت کا نظام، لاہور: روحاني مطبوعات، (۲۰۱۰)، ص ۳۵

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

خشک اور غیر دلچسپ سمجھ کر صرف رسمی طور پر پڑھتے ہیں۔ نصاب کی پیشکش کا خشک ہونا: نصاب میں شامل کتب کا انتخاب یا ان کی ترتیب ایسی ہو سکتی ہے جو جدید طلبہ کے مزاج اور فکری رجحانات سے ہم آہنگ نہ ہو۔ اگر کتب قدیم اسلوب اور پیچیدہ اصطلاحات سے بھری ہوں، اور انہیں عصری مثالوں یا دلائل سے نہ جوڑا جائے، تو طلبہ کے لیے انہیں سمجھنا اور ان سے عملی فائدہ اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ طلبہ میں تصوف کی عملی اہمیت سے متعلق آگاہی کی کمی: بعض طلبہ کو شاید یہ معلوم ہی نہ ہو کہ تصوف کا ان کی عملی زندگی، اخلاق، اور روحانی ترقی سے کیا تعلق ہے۔ انہیں اس کے صرف چند رسم و رواج یا فکری مباحث کا علم ہوتا ہے جو انہیں اپنی زندگی سے غیر متعلق محسوس ہوتے ہیں۔ اگر انہیں تصوف کے حقیقی مقاصد اور اس کے عملی فوائد سے متعارف نہ کرایا جائے، تو وہ اسے محض ایک غیر ضروری مضمون سمجھ سکتے ہیں۔ قدامت پسند زبان اور اسلوب: بعض طلبہ کو تصوف کی کلاسیکی کتب کی قدامت پسند زبان اور اسلوب بھی مشکل محسوس ہوتا ہے۔ فارسی اور عربی کی پرانی اصطلاحات، تشبیہات، اور علامات کو سمجھنے میں انہیں دشواری ہوتی ہے، جس سے وہ مضمون میں دلچسپی کھو بیٹھتے ہیں۔ جدید علمی زبان اور تدریسی اسالیب سے محرومی اس مضمون کو طلبہ کے لیے مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ ان تمام عوامل کے نتیجے میں، نصابِ تصوف کی اصل افادیت طلبہ تک مکمل طور پر نہیں پہنچ پاتی، اور وہ اس عظیم روحانی میراث سے مستفید ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ [1]

نصابِ تصوف اور روحانیت کے فروغ میں اس کا کردار

نصابِ تصوف روحانیت کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کرتا یہ کائنات کے خالق سے جوڑنے کا بنیادی ذریعہ اور متوازن معاشر محض ظاہری علوم کی تعلیم ذریعہ ہے۔ یہ طلبہ کو محض ظاہری علوم کی تعلیم دینے کے بجائے انہیں گہری روحانی بصیرت اور عملی تزکیہ نفس کی طرف راغب کرتا ہے۔ اس نصاب کا سب سے اہم پہلو طلبہ کو خود شناسی (self-knowledge) کی طرف لے جانا ہے۔ تصوف کی تعلیمات انسان کو اپنی ذات کے اندر جھانکنے، اپنے نفس کی خامیوں اور خوبیوں کو پہچاننے، اور اپنی حقیقی پہچان (اللہ کے بندے کے طور پر) کا ادراک کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ یہ انہیں یہ سکھاتا ہے کہ انسان صرف جسم اور عقل کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک روح کا حامل ہے، اور اس روح کی بالیدگی ہی اصل کامیابی ہے۔ خود شناسی کا یہ عمل انہیں اپنی کمزوریوں پر قابو پانے اور اپنی اندرونی قوتوں کو بیدار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خود شناسی کے بعد، یہ نصاب طلبہ کو معرفتِ الٰہی (divine recognition) کی جانب گامزن کرتا ہے۔ یہ انہیں اللہ کی ذات، اس کی صفات، اور اس کے کائناتی نظام کو گہرائی سے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ معرفت صرف علمی بحثوں سے نہیں بلکہ قلبی بصیرت اور روحانی تجربات سے حاصل ہوتی ہے۔ تصوف انہیں سکھاتا ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور انسان کا دل ہی اس کی تجلی کا مرکز ہے۔ اس معرفت کے ذریعے طلبہ کا اللہ سے تعلق محض ایک خالق و مخلوق کا نہیں بلکہ ایک گہرے عشق اور عبودیت (بندگی) کا تعلق بن جاتا ہے۔ تیسرا اہم کردار باطنی پاکیزگی (inner purity) کی طرف راغب کرنا ہے۔ تصوف کا بنیادی زور نفس کی پاکیزگی اور دل کی آلائشوں کو دور کرنے پر ہے۔ یہ طلبہ کو غیبت، حسد، بغض، تکبر، ریاکاری، اور دنیاوی لالچ جیسے رذائلِ اخلاق سے نجات دلا کر انہیں اخلاص، سچائی، عاجزی، محبت اور ایثار جیسی صفات سے آراستہ کرتا ہے۔ یہ باطنی پاکیزگی ہی انہیں ظاہری عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کو حقیقی روح کے ساتھ ادا کرنے کے قابل بناتی ہے، کیونکہ بغیر پاکیزہ قلب کے عبادت محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے۔ تصوف کی تعلیمات کے ذریعے ہی طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین محض ظاہری عبادات اور رسومات کا نام نہیں بلکہ اس میں قلبی طہارت، عشقِ الٰہی، اور روحانی پرواز بھی شامل ہے۔ یہ نصاب انہیں اللہ سے قربت حاصل کرنے کے طریقوں، نفسانی خواہشات پر قابو پانے اور دنیاوی آلائشوں سے بچنے کی تربیت دیتا ہے۔ اس کے ذریعے طلبہ کے اندر ایک روحانی بیداری (spiritual awakening) پیدا ہوتی ہو یہ انہیں زندگی کے ہر شعبے میں دین اسلام کی حقیقی روح کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ بیداری انہیں نہ صرف ایک بہتر فرد بناتی ہے بلکہ انہیں معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے بھی تیار کرتی ہے، کیونکہ ایک روحانی طور پر بیدار شخص معاشرتی فلاح اور عدل کا پرچار کرتا ہے۔ [2]

---

[1]۔ نقشبندي، زبیر نقشبندي، روحانیت اور تصوف کا فروغ، کراچی: اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، (۲۰۱۱)، ص ٦٥

[2]۔ نقشبندي، طاہر نقشبندي، تدریس تصوف کے طریقۂ کار، لاہور: حکمت پبلشرز، (۲۰۱۹)، ص ٥٠

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

نصابِ تصوف اور اخلاقی اقدار کی تشکیل

نصابِ تصوف اخلاقی اقدار کی تشکیل میں ایک بنیادی اور ناگزیر کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ تصوف کا عملی مظہر درحقیقت اخلاقِ حسنہ ہی ہیں۔ یہ طلبہ کو ان اعلیٰ انسانی صفات اور اقدار کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے جو اسلامی معاشرے کی بنیاد اور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا جوہر ہیں۔ یہ نصاب طلبہ کو سکھاتا ہے کہ:

سچائی :(Truthfulness) ہر قول و فعل میں سچائی کو اپنانا، جھوٹ اور فریب سے اجتناب کرنا، کیونکہ سچائی ایمان کا ستون ہے۔

امانت :(Trustworthiness) امانتوں کی پاسداری کرنا، خواہ وہ مالی ہوں یا ذمہ داریاں، کیونکہ امانت داری معاشرتی اعتماد کی بنیاد ہے۔

عدل :(Justice) ہر معاملے میں انصاف اور اعتدال کو قائم رکھنا، چاہے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ معاشرتی امن اور ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے۔

خدمتِ خلق :(Service to Creation) اللہ کی مخلوق کی بے لوث خدمت کرنا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، کیونکہ یہ اللہ کے قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔

حیاء :(Modesty) شرم و حیاء کو اپنی شخصیت کا حصہ بنانا، خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔

تواضع :(Humility) تکبر سے بچنا اور عاجزی اختیار کرنا، کیونکہ اللہ کے نزدیک وہی محبوب ہے جو انکسار اختیار کرے۔

ایثار :(Self-sacrifice) دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا، خاص طور پر ضرورت کے وقت، کیونکہ یہ محبت اور بھائی چارے کی علامت ہے۔

مخلوقِ خدا سے محبت :(Love for God's Creatures) تمام انسانوں اور حتیٰ کہ جانوروں سے بھی محبت اور شفقت سے پیش آنا، کیونکہ مخلوق پر رحم اللہ کی رحمت کو جذب کرتا ہے۔ تصوف درحقیقت اخلاق کی عملی شکل ہے جو انسان کو اللہ کے قرب اور مخلوق سے محبت کا درس دیتا ہے۔ یہ محض نظریاتی وعظ نہیں بلکہ ایک عملی طریقہ کار فراہم کرتا ہے جس کے ذریعے انسان اپنے اخلاق کو سنوارتا ہے۔ یہ طلبہ کو غیبت (کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا)، حسد (دوسروں کی نعمت پر جلنا)، تکبر (اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھنا)، اور بغض (دل میں کینہ رکھنا) جیسی اخلاقی برائیوں سے بچنے کی عملی تربیت فراہم کرتا ہے۔ ان رذائل سے نجات کے لیے نفسانی خواہشات پر قابو پانے اور مسلسل خود احتسابی کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس نصاب کے ذریعے طلبہ یہ سمجھتے اور سیکھتے ہیں کہ ایک سچا مسلمان وہی ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں اور جسکرم ہے: کو کسی "کامل م کا نقصان نہ پہنچے۔ نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے: "کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں"۔ تصوف کی تعلیمات اس حدیث کے عملی نمونے پیش کرتی ہیں اور طلبہ کو اپنی ذات کو مہذب اور باکردار (Civilized and Principled) بنانے کی طرف راغب کرتی ہیں۔ یہ انہیں ایک ایسا سماجی شعور اور روحانی قوت عطا کرتی ہیں جس سے وہ معاشرے میں امن، عدل اور محبت کے سفیر بن کر ابھرتے ہیں۔ اس طرح، نصابِ تصوف نہ صرف ایک فرد کی روحانی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ اسے ایک ایسا بااخلاق شہری بھی بناتا ہے جو معاشرتی ہم آہنگی اور فلاح و بہبود میں اہم کردار ادا کر سکے۔[1]

جدید معاشرتی مسائل اور نصابِ تصوف کا تناظر

جدید معاشرتی مسائل نے اکیسویں صدی کے مسلم معاشروں کو کئی اہم چیلنجز سے دوچار کیا ہے۔ انتہاپسندی، فرقہ واریت، عدم برداشت، مادہ پرستی، ڈپریشن، ذہنی تناؤ اور اخلاقی گراوٹ جیسے مسائل تیزی سے پھیل رہے ہیں، اور ان کے تناظر میں نصابِ تصوف کی اہمیت غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ تصوف کی تعلیمات ان مسائل کا ایک گہرا روحانی اور نفسیاتی حل فراہم کرتی ہیں جو صرف ظاہری اصلاح پر نہیں بلکہ دلوں کی پاکیزگی اور روحانی اقدار کے احیاء پر مبنی ہے۔

---

[1] ۔ جیلانی، مشتاق جیلانی، عصری مسائل اور تصوف کا پیغام، لاہور: فلاحی پبلشرز، (۲۰۱۳)، ص ۳۰۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

انتہا پسندی اور فرقہ واریت

تصوف کی بنیاد رواداری، محبت اور بھائی چارے پر ہے۔ یہ تعلیمات طلبہ کو یہ سکھاتی ہیں کہ دین کا اصل پیغام محبت، امن اور باہمی احترام ہے، نہ کہ شدت پسندی اور نفرت۔ یہ انہیں مختلف آراء اور مکاتب فکر کا احترام کرنے، اور مشترکہ انسانیت کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ تصوف فرقہ واریت کی تنگ نظری سے بالا ہو کر وسیع القلبی اور وحدت کا درس دیتا ہے، جو معاشرے میں ہم آہنگی اور اتحاد کو فروغ دیتا ہے۔ یہ تعلیمات انسان کو دوسروں کے ساتھ شفقت اور خیر خواہی سے پیش آنے کا حکم دیتی ہیں، چاہے وہ کسی بھی مذہب یا مسلک سے تعلق رکھتے ہوں۔

عدم برداشت اور اخلاقی گراوٹ

آج کے معاشرے میں عدم برداشت کا ماحول عام ہے۔ تصوف طلبہ میں **صبر اور برداشت** جیسے اوصاف پیدا کرتا ہے، جو انہیں دوسروں کے ساتھ اختلافات کو حکمت اور نرمی سے حل کرنے کی صلاحیت دیتے ہیں۔ اخلاقی گراوٹ، جیسے جھوٹ، فریب، اور دھوکہ دہی، کا مقابلہ تصوف کی تعلیمات میں موجود **تزکیہ نفس** سے کیا جا سکتا ہے، جو انسان کے اندر سے بری صفات کو ختم کر کے اچھی صفات پیدا کرتا ہے۔

مادہ پرستی اور ڈپریشن

جدید دور میں مادہ پرستی (materialism) نے انسان کو دنیاوی ہوس کا شکار بنا دیا ہے۔ ہر شخص زیادہ سے زیادہ مال و دولت اور دنیاوی کامیابی کے پیچھے بھاگ رہا ہے، جس کے نتیجے میں **ڈپریشن اور ذہنی تناؤ** (mental stress) عام ہو چکا ہے۔ تصوف کی تعلیمات انسان کو دنیاوی ہوس سے بالاتر ہو کر اخروی کامیابی پر توجہ دینے کی ترغیب دیتی ہیں۔ یہ انہیں قناعت اور توکل (Reliance on Allah) کا درس دیتا ہے، جس سے انہیں اندرونی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہ انہیں یاد دلاتا ہے کہ حقیقی خوشی مادی چیزوں میں نہیں بلکہ اللہ کے قرب اور اس کی رضا میں ہے۔ تصوف کے ذریعے افراد کو **خود شناسی** حاصل ہوتی ہے، جس سے وہ اپنی ذات کے حقیقی مقصد کو پہچانتے ہیں اور دنیوی مسائل کو ایک وسیع تر روحانی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ یہ خود شناسی انہیں معاشرتی بگاڑ کی بجائے اصلاح کا ذریعہ بننے میں مدد دیتی ہے اور ایک پرامن اور متوازن معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ یہ انہیں دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونے اور ان کی مدد کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جو خود ڈپریشن کے علاج کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

ذہنی انتشار اور بے مقصدیت

انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے اس دور میں **معلومات** کی بھرمار نے نوجوانوں میں ذہنی انتشار اور بے مقصدیت کا احساس پیدا کیا ہے۔ تصوف کی تعلیمات انہیں ذکر و فکر اور مراقبہ کے ذریعے ذہنی یکسوئی اور قلبی سکون حاصل کرنے کا راستہ دکھاتی ہیں۔ یہ انہیں زندگی کے حقیقی مقصد، یعنی اللہ کی رضا اور قرب کے حصول پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے ان کی زندگی میں مقصدیت اور معنی پیدا ہوتا ہے۔ یہ انہیں دکھاتا ہے کہ حقیقی کامیابی دنیاوی نہیں بلکہ اخروی ہے، اور یہ سوچ انہیں اندرونی طور پر مضبوط بناتی ہے۔ اس طرح، نصابِ تصوف جدید معاشرتی مسائل کا ایک جامع اور پائیدار حل فراہم کرتا ہے، جو صرف ظاہری قوانین پر انحصار نہیں کرتا بلکہ فرد کے اندرونی تبدیلی پر زور دیتا ہے۔ یہ تعلیمات دلوں کو جوڑتی ہیں، روحوں کو پاک کرتی ہیں، اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتی ہیں جہاں امن، محبت اور اخلاقی اقدار کا بول بالا ہو۔[1]

نصابِ تصوف کا تنقیدی جائزہ اور اس کی خامیاں

نصابِ تصوف کا تنقیدی جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے موجودہ تدریسی طریقۂ کار اور نصاب میں کچھ ایسی خامیاں ہیں جو طلبہ کو اس کے حقیقی فوائد سے مکمل طور پر مستفید ہونے سے روکتی ہیں۔ ان خامیوں کو سمجھنا اور انہیں دور کرنا نصاب کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے ناگزیر ہے۔ ایک اہم خامی یہ ہے کہ بعض اوقات اس کی تدریس میں عملی پہلوؤں کی بجائے نظریاتی مباحث پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تصوف محض فلسفیانہ مباحث کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عملی راستہ (سلوک) ہے جس میں تزکیہ نفس اور اخلاقی تربیت

---

[1] ۔ جیلانی، مشتاق جیلانی، عصری مسائل اور تصوف کا پیغام، ص: ۱۳۴

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

شامل ہے۔ جب اساتذہ صرف کتابوں میں موجود وحدت الوجود، وحدت الشہود، یا انش، صوفیانہ اصطلاحات کی تشریح پر توجہ دیتے ہیں اور ان کے عملی اطلاق اور طلبہ کی زندگی پر پڑنے والے اثرات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، تو طلبہ اسے اپنی عملی زندگی میں لاگو نہیں کر پاتے۔ انہیں یہ مباحث بے معنی اور غیر متعلق محسوس ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ تصوف کو محض ایک مشکل علمی بحث سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے روحانی فائدہ حاصل نہیں کر پاتے۔ مثال کے طور پر، اگر "صبر" کی فضیلت صرف کتابوں سے پڑھا دی جائے لیکن طلبہ کو روزمرہ زندگی میں صبر کی عملی مشقوں یا مثالوں سے آشنا نہ کیا جائے، تو اس تعلیم کا اثر محدود رہے گا۔ اس کے علاوہ، بعض کتب کی قدیمی زبان اور اسلوب بھی2019، طلبہ کے لیے ایک بڑی مشکل ہوتا ہے۔ تصوف کی بہت سی مستند اور بنیادی کتب (جیسے کشف المحجوب، عوارف المعارف) قدیم فارسی یا عربی میں لکھی گئی ہیں جن کی زبان آج کی اردو یا جدید فارسی سے مختلف ہے۔ ان کتب میں استعمال ہونے والی اصطلاحات، تشبیہات، اور علامات کو سمجھنے کے لیے گہری لسانی مہارت اور تاریخی تناظر کا علم ضروری ہے۔ آج کے طلبہ، جو جدید علوم اور عصری زبانوں سے زیادہ مانوس ہیں، ان کتب کو سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، جس کے باعث وہ تصوف سے مکمل طور پر مستفید نہیں ہو پاتے۔ یہ لسانی رکاوٹیں انہیں مضمون سے متنفر کرتی ہیں اور ان کی دلچسپی کو کم کر دیتی ہیں۔

اس خامی کی ایک اور بڑی وجہ ایسے اساتذہ کی کمی ہے جو تصوف کے عملی پہلوؤں اور اس کی روح کو طلبہ تک مؤثر طریقے سے منتقل کر سکیں۔ ایسے اساتذہ کم ہیں جو نہ صرف تصوف کے نظریاتی پہلوؤں پر مکمل عبور رکھتے ہوں بلکہ خود عملی طور پر سلوک کی منازل طے کر چکے ہوں اور طلبہ کو ذاتی مثال اور عملی رہنمائی کے ذریعے متاثر کر سکیں۔ اگر استاد خود روحانی تجربات سے ناآشنا ہو یا جدید تدریسی طریقوں سے واقف نہ ہو، تو وہ طلبہ میں تصوف کا حقیقی جذبہ بیدار نہیں کر سکتا۔ تصوف کی تدریس محض معلومات کی فراہمی نہیں بلکہ دل سے دل تک پہنچنے والا ایک روحانی عمل ہے، جس کے لیے استاد کا کردار کلیدی ہے۔ مزید برآں، نصاب میں بعض اوقات ایسے مضامین بھی شامل کر دیے جاتے ہیں جو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ ایسے مباحث یا موضوعات جو تاریخ کے کسی خاص دور میں اہم تھے، لیکن آج کے دور کے طلبہ کے لیے غیر متعلقہ یا غیر ضروری محسوس ہوتے ہیں، طلبہ کی دلچسپی کو کم کر دیتے ہیں۔ اگر نصاب میں جدید دور کے ص160- (مثلاً سائبر اخلاقیات، ذہنی صحت کے مسائل) سے متعلق تصوف کی تعلیمات کو شامل نہ کیا جائے تو طلبہ اسے محض ایک قدیم روایت سمجھ کر نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ان تمام خامیوں کو دور کر کے ہی تصوف کے نصاب کو زیادہ فعال، مؤثر، اور طلبہ کے لیے مفید بنایا جا سکتا ہے۔[1]

خلاصہ

تصوف و روحانیت اسلامی تعلیمات کا وہ پہلو ہیں جن کا بنیادی مقصد تزکیۂ نفس، اخلاقی اصلاح اور قربِ الٰہی کا حصول ہے۔ ان کی تدریس کے بنیادی مصادر میں قرآنِ کریم، سنتِ نبوی ﷺ، آثارِ صحابہؓ و تابعین، اور مستند صوفیاء کی تصانیف شامل ہیں، جیسے احیاء علوم الدین، رسائلِ قشیریہ، کشف المحجوب اور دیگر اخلاقی و روحانی کتب۔ دینی مدارس میں تصوف کی تعلیم عموماً نصابی کتب کے مطالعے، شیخ کی نصیحت، اور اخلاقی وعظ کے ذریعے دی جاتی ہے۔ اس تدریسی لائحۂ عمل میں روحانی تربیت پر توجہ دی جاتی ہے، تاہم اکثر مقامات پر تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، تدریسی تنوع اور عصری فکری تناظر کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ بعض اوقات تصوف کو محض ظاہری رسوم، مجاہدات یا شیخ و مرید کے تعلق تک محدود کر دیا جاتا ہے، جس سے اس کا جامع اسلامی تصور پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔ مزید یہ کہ جدید دور کے چیلنجز جیسے مادیت، اخلاقی بحران، فکری انتشار اور روحانی خلا کے تناظر میں تصوف کے عملی، اعتدالی اور اصلاحی پہلوؤں کو تدریس میں مؤثر انداز سے شامل نہیں کیا جا رہا۔ اگرچہ تصوف کو شریعت کے تابع رکھنا مدارس کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، مگر تدریسی لائحۂ عمل میں تحقیقی گہرائی اور عصری تطبیق کی ضرورت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔

[1] ۔ عادل، محمد عادل، عصری مدارس میں تصوف کی تدریس: ایک تنقیدی جائزہ، ص:۴۶

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 01 (2025)

سفارشات

1. تصوف کی تدریس کو قرآن و سنت سے مضبوطی سے جوڑا جائے تاکہ طلبہ تصوف کو اسلامی شریعت کی روح اور تکمیل سمجھیں۔
2. بنیادی مصادر کے ساتھ تنقیدی و تحقیقی مطالعہ شامل کیا جائے تاکہ افراط و تفریط اور غیر مستند تصورات کی علمی وضاحت ہو سکے۔
3. عصری فکری و اخلاقی مسائل کو تدریس کا حصہ بنایا جائے جیسے نوجوانوں کے مسائل، ذہنی دباؤ، مادہ پرستی اور اخلاقی زوال۔
4. تدریسی اسلوب میں تنوع پیدا کیا جائے لیکچر کے ساتھ مکالمہ، کیس اسٹڈیز اور عملی مثالیں شامل کی جائیں۔
5. روحانیت کو عملی زندگی سے مربوط کیا جائے تاکہ طلبہ تصوف کو محض نظری نہیں بلکہ عملی اصلاح کا ذریعہ سمجھیں۔